ان میں نہیں ہے اور نہ شاید ہو سکتی ہے۔ میرے ذہن میں عورت وفا اور ایثار کی مورت ہے جو اپنی بے زبانی اور اپنی قربانی سے اپنے کو بالکل مٹا کر شوہر کی روح کا ایک جزو بن جاتی ہے۔ غالب مرد کا رہتا ہے مگر جان عورت کی ہوا کرتی ہے۔ آپ کہیں گے کہ مرد اپنے کو کیوں نہیں مٹاتا عورت ہی سے کیوں یہ امید کرتا ہے۔ مرد میں وہ سکت ہی نہیں ہے۔ وہ اپنے کو مٹائے گا تو کچھ نہ رہ جائے گا۔ وہ کسی گپھا میں جا بیٹھے گا اور وصال حق کا خواب دیکھنے لگے گا اس میں جلال کی زیادتی ہے اور وہ اپنے گھمنڈ میں یہ سمجھ کر کہ وہ عقل کا پتلا ہے، سیدھا خدا میں جذب ہو جانے کا تصور کیا کرتا ہے عورت زمین کی طرح صبر و سکون اور برداشت والی ہے۔ مرد میں عورت کے اوصاف آجاتے ہیں تو وہ مہاتما بن جاتا ہے اور عورت میں مرد کے گن آجاتے ہیں تو وہ بدکار بن جاتی ہے۔ مرد راغب ہوتا ہے اس عورت کی طرف جو بہمہ وجوہ مکمل ہو۔ مالتی نے ابھی مجھے راغب نہیں کیا۔ میں آپ سے کن الفاظ میں کہوں کہ عورت میری نگاہوں میں کیا ہے دنیا میں جو کچھ خوبصورت ہے اسی کے مجسمہ کو میں عورت کہتا ہوں میں اس سے یہ امید رکھتا ہوں کہ میں اسے مار ڈالوں تو اس کے دل میں بدی کا خیال تک نہ آئے۔ اگر میں اس کی آنکھوں کے سامنے کسی عورت کو پیار کروں تو بھی وہ حسد نہ کرے۔ ایسی عورت پا کر میں اس کے قدموں پر گر پڑوں گا اور اس پر اپنے آپ کو نچھاور کر دوں گا۔

مرزا نے سر ہلا کر کہا: "ایسی عورت آپ کو اس دنیا میں تو شاید ہی ملے۔"

مہتا نے ہاتھ مار کر کہا: "ایک نہیں ہزاروں، اور نہ دنیا ویران ہو جاتی۔"

"ایسی ایک ہی مثال دیجئے۔"

"مسز کھنّا ہی کو لیجئے۔"

"لیکن کھنّا۔"

کھنّا بدنصیب ہیں جو ہیرا پاکر اسے کانچ کا ٹکڑا سمجھ رہے ہیں۔ سوچیے کتنا ایثار ہے۔ اور اس کے ساتھ ہی کتنی محبت ہے۔ کھنّا کے صورت پرست دل میں شاید اس کے لئے ذرا بھی جگہ نہیں ہے مگر آج کھنّا پر کوئی آفت آجائے تو وہ خود کو ان پر قربان کر دے گی۔ کھنّا آج اندھے یا کوڑھی ہو جائیں تو بھی اس کی وفاداری میں فرق نہ آئے گا۔ ابھی کھنّا اس کی قدر نہیں کر رہے ہیں۔ مگر آپ دیکھیں گے کہ ایک دن وہ اس کے پیر دھو دھو کر پئیں گے۔ میں ایسی بیوی نہیں چاہتا جس سے میں پروفیسر آئینسٹین کے اصولوں پر بحث کر سکوں یا جو میری کتابوں کے پروف دیکھا کرے میں ایسی عورت چاہتا ہوں جو میری زندگی کو پاک اور روشن بنا دے۔ اپنی محبت اور قربانی سے۔"

خورشید نے ڈاڑھی پر ہاتھ پھیرتے ہوئے جیسے کوئی بھولی بات یاد کر کے کہا: "آپ کا خیال بہت درست ہے مسٹر مہتا۔ ایسی عورت اگر کہیں مل جائے تو میں بھی شادی کر لوں، مگر امید نہیں ہے کہ مجھے ملے۔"

مہتا نے ہنس کر کہا: "آپ بھی کھوج میں رہیئے اور میں بھی ہوں شاید قسمت جاگ اٹھے۔"

"مگر مس مالتی آپ کو چھوڑنے والی نہیں سمجھئے لکھ دوں۔"

"ایسی عورتوں سے میں صرف دل بہلاؤ کر سکتا ہوں، بیاہ نہیں، بیاہ تو خود کو سراپا نذر کر دینا ہے۔"

"اگر بیاہ یہی ہے تو محبت کیا ہے۔"

محبت جب اسی نذر کی صورت پکڑ لیتی ہے۔ جب ہی بیاہ ہے اور اس کے قبل عیاشی ہے۔"

مہتا نے کپڑے پہنے اور رخصت ہو گئے۔ شام ہو گئی تھی۔ مرزا نے

جاکر دیکھا تو گوبر ابھی تک پیڑوں کو سینچ رہا تھا۔ مرزا نے خوش ہو کر کہا: "جاؤ اب تمھاری چھٹی ہے۔ کل پھر آؤ گے؟"

گوبر نے عاجزی سے کہا: "میں کہیں نوکری کرنا چاہتا ہوں مالک!"

"نوکری کرنا ہے تو ہم تجھے رکھ لیں گے۔"

"کتنا ملے گا مالک؟"

"جتنا تو مانگے۔"

"میں کیا مانگوں، آپ جو چاہیں دے دیں۔"

"ہم تمھیں پندرہ روپئے دیں گے اور خوب کس کر کام لیں گے۔"

گوبر محنت سے نہیں ڈرتا۔ اسے روپئے ملیں تو آٹھوں پہر کام کرنے کو تیار ہے۔ پندرہ روپئے ملیں تو کیا پوچھنا وہ تو جان بھی دے دے گا۔ بولا۔ "میرے لئے ایک کوٹھری مل جائے تو وہیں پڑا رہوں گا۔"

"ہاں۔ ہاں، جگہ کا انتظام میں کر دوں گا۔ اسی جھونپڑے میں ایک طرف تم بھی پڑ رہنا۔"

گوبر کو جیسے بیکنٹھ مل گیا۔

(۱۴)

ہوری کی پوری فصل جُرمانے کی نذر ہو چکی ہے۔ بیسا کھ تو کسی طرح کٹ گیا مگر جیٹھ لگتے لگتے گھر میں غلّے کا ایک دانہ نہ رہا۔ پانچ پانچ آدمی کھانے والے اور گھر میں غلّہ ندارد۔ دونوں وقت نہ ملے تو ایک وقت تو ملنا ہی چاہیئے۔ پیٹ بھر نہ ملے تو آدھا پیٹ سہی۔ فاقے سے کوئی کتنے دن رہ سکتا ہے۔ ادھارے تو کس سے؟ گاؤں کے سب ہی چھوٹے بڑے مہاجنوں سے تو منھ چرانا پڑتا تھا۔ مزدوری بھی کرے تو کس کی؟ جیٹھ میں تو اپنا ہی کام ڈھیروں تھا۔ ایکھ میں پانی لگا ہوا تھا مگر خالی پیٹ محنت بھی کیسے ہو۔

شام ہو گئی تھی۔ چھوٹا بچّہ رو رہا ہے۔ ماں کو کھانا نہ ملے تو دودھ کہاں سے ہو؟ سونا یہ سب بات سمجھتی تھی مگر روپا کیا سمجھے؟ بار بار روٹی روٹی چلا رہی تھی۔ دن بھر تو کچّی آمیوں سے جی بہلا مگر اب تو کوئی ٹھوس چیز چاہیئے۔ ہوری دولاری سیٹھانی سے اناج ادھار مانگنے گیا تھا مگر وہ دوکان بند کر کے بازار چلی گئی تھی۔ منگرو ساہ نے صرف انکار ہی نہیں کیا بلکہ ڈانٹ بھی بتائی: "ادھار مانگنے چلے ہیں۔ تین سال سے دھیلا بیاج نہیں دیا۔ اس پر ادھار دیئے جاؤ۔ اب دوسرے جنم میں دیں گے! کھوٹی نیت ہو جاتی ہے تو یہی حال ہوتا ہے۔ بھگوان سے بھی یہ کھوٹائی نہیں دیکھی جاتی۔ کارندے کی ڈانٹ پڑی تو کیسے چپکے سے روپئے اگل دئے۔ میرا روپیہ تو روپیہ ہی نہیں ہے۔ اور گھر والی ہے تو اس کا مجاج (مزاج) ہی نہیں ملتا۔"

وہاں سے آبدیدہ ہو کر لوٹا اور اداس بیٹھا ہوا تھا کہ پنیا آگ لینے آئی

رسوئی کے وقت دروازے پر جاکر دیکھا تو اندھیرا پڑا ہوا تھا۔ بولی: "آج روٹی نہیں بنا رہی ہو کیا بھابی جی؟ اب تو بڑا (وقت) ہو گئی ہے۔"

جب سے گوبر بھاگا تھا، پنیا اور دھنیا میں بول چال ہو گئی۔ پنیا ہوری کا احسان بھی ماننے لگی تھی۔ ہیرا کو اب وہ گالیاں دیتی تھی: "ہتیارا گؤ ہتیا کر کے بھاگا۔ منہ میں کالکھ لگی ہے۔ گھر کیسے آوے؟ اور آوے بھی تو گھر میں پاؤں نہ رکھنے دوں گی۔ گؤ ہتیا کر کے اسے لاج بھی نہ آئی۔ بہت اچھا ہوتا کہ پولس باندھ کر لے جاتی اور چکی پسواتی۔"

دھنیا کوئی حیلہ نہ کر سکی بولی: "روٹی کہاں سے بنے گھر میں دانہ تو ہے ہی نہیں۔ تیرے مہتو نے برادری کا پیٹ بھر دیا، بال بچے مریں یا جئیں۔ اب برادری جھانکتی تک نہیں۔"

پنیا کی فصل اچھی ہوئی تھی اور وہ مانتی تھی کہ یہ ہوری کی بدولت ہی ہیرا کے ہاتھوں کبھی اتنی برکت نہ ہوئی تھی بولی: "اناج میرے گھر سے کیوں نہیں منگوا لیا وہ بھی تو مہتو کی کمائی ہے کہ کسی اور کی؟ سکھ کے دن آویں تو لڑ لینا دکھ تو ساتھ ساتھ رونے ہی سے کٹتا ہے۔ میں کیا ایسی اندھی ہوں کہ آدمی کا دل نہیں پہچانتی؟ "مہتو نے نہ سنبھالا ہوتا تو آج مجھے کہاں ٹھکانا تھا؟ وہ الٹے پاؤں لوٹی اور سونا کو بھی ساتھ لیتی گئی۔ ایک لمحے میں دو بڑے ٹوکرے اناج سے بھرے ہوئے لا کر آنگن میں رکھ دئے۔ دو من سے کم جو نہ تھا۔ دھنیا ابھی کچھ کہنے نہ پائی تھی کہ وہ پھر چل دی اور لمحہ بھر میں ایک بڑی سی ٹوکری ارہر کی دال سے بھری ہوئی لا کر رکھ دی اور بولی: "چلو میں چولھا جلائے دیتی ہوں۔"

دھنیا نے دیکھا تو جو کے اوپر ایک چھوٹی سی ڈلیا میں چار پانچ سیر آٹا بھی تھا۔ آج زندگی میں پہلی مرتبہ وہ مغلوب ہوئی۔ آنکھوں میں محبت اور شکریے

کے آنسو بھر کر بولی: "سب کا سب اٹھا لائی کہ گھر میں بھی کچھ چھوڑا؟ کہیں بھاگا جاتا تھا"
آنگن میں بچہ کھٹولے پر پڑا رو رہا تھا۔ پنیا اسے گود میں لے کر دلار کرتی ہوئی بولی: "تمھاری دیا سے ابھی بہت ہے بھابی جی! پندرہ من تو جو ہوا اور دس من گیہوں اور پانچ من مٹر، کیا چھپانا؟ دونوں گھروں کا کام چل جائے گا۔ دو تین مہینے میں پھر مکا ہو جائے گی۔ آگے بھگوان مالک ہیں۔
جھنیا نے آکر آنچل سے چھوٹی ساس کے چرن چھوئے۔ پنیا نے اسیس دی۔ سونا آگ جلانے چلی اور روپا نے پانی کے لئے گھڑا اٹھایا۔ رکی ہوئی گاڑی چل پڑی۔ پانی میں رکاوٹ کے سبب جو بھنور تھی، جھاگ تھا، شور تھا، بہاؤ کی تیزی تھی، وہ رُکاوٹ ہٹ جانے سے آہستہ آہستہ میٹھے راگ کے ساتھ برابر ہو کر بہ چلا!

پنیا بولی: "مہتو کو ڈانڑ باندھ دینے کی ایسی جلدی کیا پڑی تھی؟"
دھنیا نے کہا: "برادری میں اجاگر کیسے ہوتے۔"
"بھابی! بُرا نہ مانو تو ایک بات کہوں۔"
"کہہ برا کیوں مانوں گی؟"
"نہ کہوں گی، کہیں تم بگڑنے نہ لگو۔"
"کہتی ہوں کہ کچھ نہ بولوں گی، کہہ تو۔"
"تمھیں جھنیا کو گھر میں نہ رکھنا چاہیئے تھا۔"
"تب کیا کرتی؟ وہ ڈوبی مرتی تھی۔"
"میرے گھر میں رکھ دیتیں، تب تو کوئی کچھ نہ کہتا۔"
"یہ تو تو آج کہتی ہے۔ اس دن بھیج دیتی تو جھاڑو لے کر دوڑتی۔"
"اتنے کھرچ (خرچ) میں تو گوبر کا بیاہ ہو جاتا۔"

" ہونہار کو کون ٹال سکتا ہی، پگلی؟ ابھی اتنے ہی سے گلا نہیں چھوٹا۔ بھولا اب اپنی گائے کے دام مانگ رہا ہی۔ تب تو گائے دی تھی کہ میری سگائی کہیں کر دو، اب کہتا ہی کہ مجھے سگائی نہیں کرنی، میرے روپئے دے دو۔ اس کے دونوں بیٹے لاٹھی لئے گھومتے ہیں۔ ہمارے کون بیٹھا ہی جوان سے لڑے؟ اس ستیاناسی گائے نے تو آکر گھر ہی چوپٹ کر دیا۔"

کچھ اور باتیں کر کے پنیا آگ لے کر چلی گئی۔ ہوری سب کچھ دیکھ رہا تھا اندر آکر بولا: "پنیا دل کی ساپھ (صاف) ہی۔"

" ہیرا بھی تو دل کا ساپھ تھا؟"

دھنیا نے اناج تو رکھ لیا تھا مگر دل میں نادم ہو رہی تھی۔ یہ د نوں کا پھیر ہے کہ آج اسے یوں نیچا دیکھنا پڑا۔"

تو کسی کا اُپکار نہیں مانتی، یہی تجھ میں بُرائی ہی۔

اپکار کیوں مانوں؟ میرا آدمی اس کے گرستی کے پیچھے جان نہیں دے رہا ہی؟ پھر میں نے دان تھوڑے ہی لیا ہی۔ ایک ایک دانہ بھر دوں گی۔"

مگر پنیا اپنی جٹھانی کے خیالات سمجھ کر بھی ہوری کے احسان کا بدلا چکاتی جاتی تھی۔ جب یہاں اناج ختم ہو جاتا تو من دو من دے جاتی۔ مگر جب چوما آگیا اور برکھا نہ ہوئی تو مسئلہ بہت پیچیدہ ہو گیا۔ ساون کا مہینہ آگیا تھا اور چاروں طرف بگولے اٹھ رہے تھے۔ کنوؤں کا پانی بھی سوکھ گیا تھا اور ایکھ دھوپ سے جلی جاتی تھی۔ ندی میں تھوڑا تھوڑا پانی ملتا تھا مگر اس کے لئے آئے دن لاٹھیاں نکلتی رہتی تھیں۔ یہاں تک کہ ندی نے بھی جواب دے دیا۔ جگہ جگہ چوریاں ہونے لگیں اور ڈاکے پڑنے لگے۔ علاقے بھر میں کہرام مچ گیا۔ آخر خیریت ہوئی کہ بھادوں میں پانی برس پڑا۔ اور کسانوں کے دل ہرے ہو گئے۔ کتنی

خوشی تھی اس دن! پیاسی زمین گویا آسودہ ہی نہ ہوئی تھی اور پیاسے کسان اس طرح اچھل رہے تھے گویا پانی نہیں، اشرفیاں برس رہی ہیں۔ سمیٹ لو جتنا سمیٹے بنے! کھیتوں میں جہاں بگولے اٹھتے تھے وہاں ہل چلنے لگے لڑکے گھروں سے نکل نکل کر تالابوں اور گڑھیوں کا معائنہ کر رہے تھے۔ اوہو! تالاب تو ادھا بھر گیا اور وہاں سے گڑھیا کی طرف دوڑے۔

مگر اب کتنا ہی پانی برسے ایکھ تو ختم ہوگئی۔ ہاتھ ہاتھ بھر کی ہو کر رہ جائیگی۔ مکا، جوار اور کودوں سے لگان تھوڑے ہی چکے گا؟ مہاجن کا پیٹ تھوڑے ہی بھرا جائے گا؟ ہاں مویشیوں کے لئے چارہ ہوگیا۔ اور آدمی جی گیا۔

جب ماگھ گذر گیا اور بھولا کے روپئے نہ ملے تو ایک روز وہ جھلایا ہوا ہوری کے گھر آدھمکا اور بولا: "یہی ہے تمہارا وعدہ؟ اسی منہ سے تم نے اوکھ پیل کر میرے روپئے دینے کا بچن (قول دیا) تھا؟ اب تو اوکھ پیل چکے، لاؤ روپئے میرے ہاتھ میں۔"

ہوری جب اپنی بپتا سنا کر اور منت وسماجت کر کے ہار گیا اور بھولا دروازے سے نہ ہٹا تو اس نے جھنجلا کر کہا: "تو مہتو ابھی تو میرے پاس روپئے نہیں ہیں اور نہ مجھے کہیں ادھار مل سکتے ہیں۔ میں کہاں سے لاؤں؟ دانے دانے کی تنگی ہو رہی ہے۔ بس اس نہ ہو تو گھر میں جا کر دیکھ لو۔ جو کچھ ملے اٹھا لے جاؤ۔"

بھولا نے بے مروتی سے کہا: "میں تمہارے گھر میں کیوں تلاسی لینے جاؤں اور نہ مجھے اس سے واسطہ ہے کہ تمہارے پاس روپئے ہیں کہ نہیں۔ تم نے اوکھ پیل کر روپئے دینے کہا تھا اور اوکھ پیل چکے تو اب میرے روپئے میرے حوالے کر دو۔"

"تو پھر جو کہو وہ کروں؟"

"میں کیا کہوں؟"

"میں تم ہی پر چھوڑتا ہوں۔"

"میں تمھارے دونوں بیل کھول لے جاؤں گا۔"

ہوری نے اس کی طرف حیرت سے دیکھا گویا اپنے کانوں پر یقین نہ آیا ہو۔ پھر سر جھکا کر رہ گیا۔ بھولا کیا اسے بھکاری بنا کر چھوڑ دینا چاہتا ہے؟ دونوں بیل چلے گئے تب تو اس کے دونوں ہاتھ ہی کٹ جائیں گے۔ عاجزی سے بولا: دونوں بیل لے لوگے تو میرا تو سب سوا ہا ہو جائے گا۔ اگر تمھارا دھرم یہی کہتا ہے تو کھول لے جاؤ۔"

"تمھارے بننے بگڑنے کی مجھے پرواہ نہیں ہے۔ مجھے تو اپنے روپے چاہئیں۔"

"اور جو میں کہہ دوں کہ میں نے روپے دیدیئے۔"

بھولا سناٹے میں آگیا اسے بھی اپنے کانوں پر اعتبار نہ ہوا۔ ہوری اتنی بڑی بے ایمانی کر سکتا ہے، یہ ممکن نہیں۔ تیز ہو کر بولا: اگر تم ہاتھ میں گنگا جلی لیکر کہہ دو کہ میں نے روپیہ دے دیا تو صبر کر لوں گا۔"

"کہنے کا من تو چاہتا ہے، مرتا کیا نہ کرتا، پر کہوں گا نہیں۔"

"ہاں بھیا میں نہیں کہہ سکتا۔ ہنسی کر رہا تھا۔"

ایک لمحے تک وہ دبدھے میں پڑا رہا پھر بولا: تم مجھ سے اتنا بیر کیوں پال رہے ہو، بھولا بھائی؟ جھنیا میرے گھر میں آگئی تو مجھے کون سا سکینٹھ مل گیا لڑکا الگ ہاتھ سے گیا، دو سو روپیہ ڈنڈ الگ سے بھرنا پڑا، میں تو کہیں کا نہ رہا۔ اور اب تم بھی میری جڑ کھود رہے ہو۔ رام جانتے ہیں، میں بالکل نہ جانتا تھا کہ لونڈا کیا کر رہا ہے۔ میں تو سمجھتا تھا کہ گانا سننے جاتا ہوگا۔ مجھے تو اس دن پتہ چلا جب آدھی رات کو جھنیا گھر میں آگئی۔ اُس بکھت (وقت) میں گھر

میں نہ رکھنا تو سوچو، کہاں جاتی۔ کس کی ہو کر رہتی۔"

جھنیا بروٹھے کے دروازے پر چھپ کر کھڑی ہوئی یہ باتیں سن رہی تھی باپ کو اب وہ باپ نہیں۔ بیری سمجھتی تھی۔ ڈری کہ کہیں ہوری بیلوں کو نہ دیں جا کر روپا سے بولی۔ "اماں کو جلدی بلا لا، کہنا کہ بڑا کام ہے دیر نہ کرو۔"

دھنیا کھیت میں گوبر پھینکنے گئی تھی۔ بہو کا سندیسہ سنا تو آکر بولی۔ "کاہے کو بلایا ہے۔ بہو میں تو گھبرا گئی۔"

"کاکا کو تم نے دیکھا ہی نا۔"

"ہاں دیکھا ہے، کسائی (قصائی) کی طرح باہر بیٹھا ہوا ہے۔ میں تو بولی ہی نہیں۔"

"ہمارے دونوں بیل مانگ رہے ہیں دادا سے۔"

"دھنیا کے پیٹ کی آنتیں اندر سمٹ گئیں بولی۔ "دونوں مانگ رہے ہیں!"

"ہاں کہتے ہیں کہ یا تو ہمارا روپیہ دو یا دونوں بیل کھول لے جائیں گے۔"

"تیرے دادا نے کیا کہا؟"

"انھوں نے کہا کہ تمھارا دھرم کہتا ہے تو کھول لے جاؤ۔"

"تو کھول لے جائے، پراسی دوارے پر آکر بھیک نہ مانگیں تو میرے نام پر تھوک دینا۔ ہمارے لوہو سے اس کی چھاتی ٹھنڈی ہو تو ٹھنڈی کرلے۔

وہ اسی طیش میں باہر آکر ہوری سے بولی۔ "مہتو دونوں بیل مانگ رہے ہیں۔ تو دے کیوں نہیں دیتے؟ ان کا پیٹ بھرے، ہمارے رام مالک ہیں ہمارے ہاتھ تو نہیں کاٹ لیں گے؟ اب تک اپنی مجوری کرتے تھے اب دوسرے کی مجوری کریں گے۔ بھگوان کی مرجی (مرضی) ہوگی تو پھر بیل بدھیا ہو جائیں گے۔ اور مجوری ہی کرتے رہے تو کون بڑائی ہے؟ سوکھا پالا اور لگان کا بوجھ تو نہ رہے گا۔ میں جانتی تھی کہ یہ ہمارے بیری ہیں نہیں تو گائے لے کر اپنے سر پر بلائے کیوں

باندھی۔ اس نگوڑی کا توڑا قدم رکھنا، جس دن سے آیا گھر تہس نہس ہو گیا۔"

بھولا نے اب تک جس ہتھیار کو چھپا رکھا تھا اب اسے نکالنے کا وقت آ گیا اسے یقین ہو گیا کہ بیلوں کے سوا ان سب کے پاس اور کوئی سہارا نہیں کہ بیلوں کو بچانے کے لئے یہ لوگ سب کچھ کرنے پر تیار ہو جائیں گے۔ اچھے نشانے باز کی طرح دل کو ٹھہرا کر بولا: "اگر تم چاہتے ہو کہ ہماری بلے اجتی (بےعزتی) ہو اور تم چین سے بیٹھو تو یہ نہ ہوگا۔ تم اپنی سو دو سو کو روتے ہو اور یہاں لاکھ روپئے کی آبرو بگڑ گئی۔ تمھاری کسل اسی میں ہے کہ جھنیا کو گھر میں رکھا تھا ویسے ہی اسے گھر سے نکال دو۔ پھر نہ تو ہم بیل مانگیں گے اور نہ گائے کے دام لیں گے۔ اس نے ہماری ناک کٹوائی ہے تو میں بھی اسے ٹھوکریں کھاتے دیکھنا چاہتا ہوں وہ یہاں رانی بنی بیٹھی رہے اور ہم منہ میں کالکھ پوتے اس کے نام کو روتے رہیں، میں یہ نہیں دیکھ سکتا۔ وہ میری بیٹی ہے، میں نے اسے گود میں کھلایا ہے اور بھگوان ساکھی (گواہ) ہیں کہ میں نے اسے کبھی بیٹوں سے کم نہیں سمجھا، پر آج اُسے بھیک مانگتے اور گھورے پر دانے چنتے دیکھ کر میری چھاتی ٹھنڈی ہو جائے گی جب باپ ہو کر میں نے اپنا دل اتنا کٹھور (سخت) بنا لیا ہے تب سوچو کہ میرے دل پر کتنی بڑی چوٹ پڑی ہو گی؟ اس منہ جلی نے سات پیڑھی کا نام ڈبا دیا اور تم اسے گھر میں رکھے ہوئے ہو، یہ میری چھاتی پر مونگ دلنا نہیں تو اور کیا ہے؟"

دھنیا نے جیسے پتھر کی لکیر کھینچتے ہوئے کہا: "تو مہتو میری بھی سن لو جو بات تم چاہتے ہو وہ نہ ہوگی، سو جنم نہ ہوگی۔ جھنیا ہماری جان کے ساتھ ہے تم بیل ہی تو لے جانے کہتے ہو سو لے جاؤ۔ اگر اس سے تمھاری کٹی ہوئی ناک جڑتی ہو تو جوڑ لو، پرکھوں کی آبرو بچتی ہو تو بچا لو جھنیا سے برائی جرور (ضرور) ہوئی۔ جس دن اس نے میرے گھر میں پانوں رکھا میں جھاڑو لے کر مارنے

اٹھی تھی۔ مگر جب اس کی آنکھوں سے جھر جھر آنسو گرنے لگے تو مجھے اس پر ترس آگیا۔ تم اب بوڑھے ہو گئے ہو مہتو، پر آج بھی تمھیں بیاہ کی دھن سوار ہے، پھر وہ تو ابھی بچہ ہے۔"

بھولا نے اپیل بھری آنکھوں سے ہوری کو دیکھا۔ "سنتے ہو ہوری اس کی باتیں! اب میرا دوکھ (قصور) نہیں میں بنا بیل لئے نہ جاؤں گا۔

"ہوری نے استقلال سے کہا لے جاؤ۔"

"پھر رونا مت کہ میرے بیل کھول لئے گئے۔

"نہیں روؤں گا۔"

بھولا بیلوں کی رسیاں کھول ہی رہا تھا کہ جھنیا پیوندار ساڑی پہنے اور بچے کو گود میں لئے نکل کر باہر آگئی اور کانپتی ہوئی آواز میں بولی۔ "کاکا تو میں اس گھر سے نکلی جاتی ہوں اور جیسا تم چاہتے ہو اسی طرح بھیک مانگ کر اپنا اور بچے کا پیٹ پالوں گی اور جب بھیک بھی نہ ملے گی تو کہیں ڈوب مروں گی۔"

"بھولا کھسیا کر بولا۔" دور ہو میرے سامنے سے! بھگوان نہ کرے کہ مجھے تیرا منہ دیکھنا پڑے، کلچھنی، کلنکنی کہیں کی! اب تیرے لئے ڈوب ہی مرنا ٹھیک ہے۔"

جھنیا نے اس کی طرف تاکا بھی نہیں اس میں وہ غصہ تھا جو خود کو نگل جانا چاہتا ہے، جس میں ہنسا، تشدد نہیں، بلدان (قربانی) ہے۔ دھرتی اس وقت منہ کھول کر اسے نگل لیتی تو وہ اپنے آپ کو کتنا دھنیہ مانتی اُس نے آگے قدم بڑھایا۔

مگر وہ دو قدم بھی نہ گئی تھی کہ دھنیا نے دوڑ کر اسے پکڑ لیا اور سختی بھری محبت سے بولی۔ "تو کہاں جاتی ہے بہو؟ چل گھر میں! یہ تیرا گھر ہے، ہمارے جیتے بھی اور ہمارے مرنے پر بھی۔ ڈوب مرے وہ جسے اپنی اولاد سے بیر ہو اس

بھلے آدمی کو منہ سے ایسی بات نکالتے لاج بھی نہیں آتی۔ مجھ پر دھونس جماتا ہے۔ تیج بالے جا بیلوں کا رکت (خون) پی ...."

جھنیا روتی ہوئی بولی "اماں جب اپنا باپ ہو کے مجھے دھتکار رہا ہے تو مجھے ڈوب ہی مرنے دو۔ مجھ ابھاگنی کے کارن تو تمھیں دکھ ہی ملا۔ جب سے آئی، تمھارا گھر مٹی میں مل گیا۔ تم نے اتنے دن مجھے جس پریم سے رکھا ہے ماں بھی نہ رکھتی، بھگوان مجھے پھر جنم دیں تو تمھاری کوکھ (بطن) سے دیں یہی میری اچھا ہے۔"

دھنیا اسے اپنی طرف کھینچتی ہوئی بولی "وہ تیرا باپ نہیں ہے، تیرا بیری ہے ہتیارا۔ ماں ہوتی تو اسے درد ہوتا۔ کرسگائی، مہریا جوتوں سے نہ پیٹے تو پھر کہنا!"

جھنیا ساس کے پیچھے پیچھے گھر میں چلی گئی۔ ادھر بھولا نے جاکر دونوں بیلوں کو کھونٹوں سے کھولا اور ہانکتا ہوا گھر چلا جیسے کسی نیوتنے میں آکر پوریوں کے عوض جوتے پڑے ہوں۔ اب کرو کھیتی اور بجاؤ بنسی، میری بے اجتی (بے عزتی) کرنا چاہتے ہیں سب نہ جانے کب کی عداوت نکال رہے ہیں، نہیں تو ایسی لڑکی کو کون بھلا آدمی اپنے گھر میں رکھے گا؟ سب کے سب بے سرم ہو گئے ہیں، لونڈے کا کہیں بیاہ نہ ہوتا تھا اسی سے اور اس رانڈ جھنیا کی ڈھٹائی دیکھو کہ آکر میرے آگے کھڑی ہو گئی۔ دوسری لڑکی ہوتی تو منہ نہ دکھاتی۔ آنکھ کا پانی مر گیا ہے۔ سب کے سب دشٹ اور مورکھ بھی ہیں۔ سمجھتے ہیں کہ جھنیا اب ہماری ہو گئی۔ یہ نہیں جانتے کہ جو اپنے باپ کے گھر نہ رہی وہ کسی کے گھر نہ رہے گی۔ بکھت (وقت) برا ہی نہیں تو بیچ بجار (بازار) میں اس چڑیل دھنیا کے جھونٹے پکڑ کر گھسیٹتا۔ مجھے کتنی گالیاں دیتی تھی۔

پھر اس نے دونوں بیلوں کو دیکھا۔ کتنے تیار ہیں۔ اچھی جوڑی ہے جہاں جاہوں سو روپئے میں بیچ سکتا ہوں۔ میرے اسی روپئے کھرے ہو جائیں گے ابھی وہ گاؤں کے باہر بھی نہ نکلا تھا کہ پیچھے سے داتادین، پٹیشوری، سوبھا اور دس بیس آدمی اور دوڑے آتے دکھائی دیئے۔ بھولا کا لہو سرد ہو گیا۔ اب فوجداری ہوئی بیل بھی چھن جائیں گے، مار بھی پڑے گی۔ وہ رک گیا کمر کس کر۔ کرنا ہی تو لڑ کر مرے گا۔"

داتادین نے پاس جا کر کہا: "یہ تم نے کیا انرتھ کیا بھولا؟ ابن آس کی بیل کھول لائے اور وہ کچھ بولا نہیں اسی سے تم سیر ہو گئے۔ سب لوگ اپنے اپنے کام میں لگے تھے کسی کو کھبر (خبر) بھی نہ ہوئی۔ ہوری نے تنک سا اسارہ کیا ہوتا تو تمہارا ایک ایک بال بن جاتا۔ بھلا چاہتی ہو تو لے چلو بیل! کچھ بھی بھلمنسی نہیں ہے تم میں۔"

پٹیشوری بولے: "یہ اس کے سیدھے پن کا پھل ہے۔ تمہارے روپئے اس پر آتے ہیں تو جا کر دیوانی میں دعویٰ کرو اور ڈگری کراؤ۔ بیل کھول لانے کا تمھیں کیا اکھتیار (اختیار) ہے۔ ابھی پھوجداری (فوجداری) میں دعویٰ کر دے تو بندھے بندھے پھرو۔"

بھولا نے دب کر کہا: "تو لالہ صاحب ہم کچھ جبردستی (زبردستی) تھوڑے ہی کھول لائے ہوری نے آپ دئے۔"

پٹیشوری نے سوبھا سے کہا: "تم بیلوں کو لوٹا دو سوبھا! کسان اپنے بیل کھسی (خوشی) سے دے دے گا تو ہل میں ان کو جوتے گا۔"

بھولا بیلوں کے سامنے کھڑا ہو گیا: "ہمارے روپئے دلوا دو ہمیں بیلوں کو لے کر کیا کرنا ہے۔"

ہم بیل لئے جاتے ہیں۔ اپنے روپئے کے لئے دعویٰ کرو اور نہیں تو مار کر گرا دئے جاؤ گے۔ روپئے دیئے تھے نگد (نقد) تم نے؟ ایک منحوس گائے بیچاری

سر منڈھ دی اور اب اس کے بیل کھولے لئے جاتے ہو۔"

بھولا بیلوں کے سامنے سے نہ ہٹا۔ کھڑا گم صم اور مضبوطی سے جما ہوا جیسے مر کر ہی ہٹے گا۔ پٹواری سے حجت کر کے وہ کیسے پیش پاتا؟"

داتادین نے ایک قدم آگے بڑھ کر اپنی جھکی کمر کو سیدھا کر کے للکارا: "تم سب کھڑے تاکتے کیا ہو؟ مار کے بھگا دو اس کو! ہماری گائوں کی بیل کھول لے جائیگا۔"

بنسی طاقتور جوان تھا۔ اس نے بھولا کو زور سے دھکا دیا۔ بھولا سنبھل نہ سکا، گر پڑا اٹھنا چاہتا تھا کہ بنسی نے پھر ایک گھونسہ جمایا۔

ہوری دوڑتا ہوا آرہا تھا۔ بھولا نے اس کی طرف دس قدم بڑھ کر پوچھا "ایمان سے کہنا ہوری مہنو! میں نے بیل جبردستی کھول لئے؟"

داتادین نے اس کا مطلب یوں نکالا یہ کہتے ہیں کہ ہوری نے اپنی کھسی (خوشی) سے بیل مجھے دیئے۔ ہمیں اتو بناتے ہیں۔"

ہوری نے لجاتے ہوئے کہا: "یہ مجھ سے کہنے لگے کہ یا تو جھنیا کو گھر سے نکال دو یا میرے روپئے دیدو، نہیں میں بیل کھول لے جاؤں گا۔ میں نے کہا میں بہو کو تو نہ نکالوں گا اور نہ میرے پاس روپئے ہیں مگر تمھارا دھرم کہے تو بیل کھول لو۔ بس میں نے ان کے دھرم پر چھوڑ دیا اور انھوں نے بیل کھول لئے۔"

پٹیشوری نے اداس ہو کر کہا: "جب تم نے دھرم چھوڑ دیا تب کاہے کی جبردستی اس کے دھرم نے کہا تو لے جا رہا ہے۔ لے جاؤ بھیا بیل تمھارے ہیں۔"

داتادین نے تائید کی: "ہاں جب دھرم کی بات آگئی تو کوئی کیا کہے؟"

سب کے سب ہوری کو حقارت سے دیکھتے ہوئے مار کر ٹوٹ پڑے اور فتح مند بھولا شان سے گردن اٹھائے ہوئے بیلوں کو لے چلا۔

(۱۵)

مالتی ظاہر میں تتلی ہو مگر باطن میں شہد کی مکھی اس کی زندگی میں ہنسی ہی ہنسی نہیں ہو۔ صرف گڑ کھا کر کون جی سکتا ہو؟ اور جیئے بھی تو وہ کوئی سکھ کی زندگی نہ ہوگی۔ وہ ہنستی ہے اس لئے کہ اُسے اس کی بھی قیمت ملتی ہو اس کا چہکنا اور چمکنا اس لئے نہیں ہو کہ وہ چہکنے اور چمکنے ہی کو زندگی سمجھتی ہو یا اس نے اپنے آپ کو اپنی آنکھوں میں اتنا بڑا بنا لیا ہو کہ وہ جو کچھ کرے اپنے ہی لئے کرے، نہیں، وہ اس لئے چہکتی ہو اور مذاق کرتی ہو کہ اس سے اس کے فرض کا بار کسی قدر ہلکا ہوجاتا ہو اس کے باپ اُن عجیب آدمیوں میں تھے جو صرف زبان کی مدد سو لاکھوں کے وارے نیارے کرتے تھے۔ بڑے بڑے زمینداروں اور رئیسوں کی جائیدادیں فروخت کرانا۔ انھیں قرض دلانا یا ان کے معاملوں کو افسروں سو حل کرطے کرا دینا، یہی ان کا کاروبار تھا۔ دوسرے لفظوں میں وہ دلاّل تھے اس طبقے کے لوگ بڑے طباع ہوتے ہیں۔ جس کام سے کچھ ملنے کی امید ہو اسو اٹھائیں گے اور کسی نہ کسی طرح اسے پورا بھی کردیں گے۔ کسی راجہ کی شادی کسی راجکماری سے طے کرادی اور دس بیس ہزار مار لئے۔ یہی دلاّل جب چھوٹے چھوٹے سودے کرتے ہیں تو "ٹاؤٹ" کہے جاتے ہیں۔ اور ہم ان سو نفرت کرتے ہیں۔ بڑے بڑے کام کرکے وہی ٹاؤٹ راجاؤں کے ساتھ شکار کھیلتا ہے۔ اور گورنروں کی میز پر چائے پیتا ہو۔ مسٹر کول ان ہی خوش نصیبوں میں تھے ان کے تین لڑکیاں ہی لڑکیاں تھیں ان کا ارادہ تھا کہ تینوں کو انگلستان بھیج کر تعلیم کی چوٹی تک پہنچا دیں۔ اور بہت سے بڑے آدمیوں کی

طرح ان کا بھی یہی خیال تھا کہ وہاں تعلیم پاکر آدمی کچھ اور ہو جاتا ہے۔ شاید وہاں کی آب و ہوا میں ذہن کو تیز کر دینے کی کوئی طاقت ہے مگر ان کی یہ خواہش ایک تہائی سے زیادہ پوری نہ ہوئی مالتی انگلستان ہی میں تھی کہ ان پر فالج گرا جو انھیں نکما بنا گیا۔ اب بڑی مشکل سے دو آدمیوں کے سہارے اٹھتے بیٹھتے تھے۔ زبان تو بالکل بند ہی ہو گئی تھی، اور جب زبان ہی بند ہو گئی تو آمدنی بھی بند ہوئی۔ جو کچھ تھی زبان ہی کی کمائی تھی۔ کچھ بچا رکھنے کی عادت نہ تھی۔ غیر مقررہ آمدنی تھی اور ویسا ہی خرچ تھا، پس ادھر کئی سال سے بہت تنگ حال ہو رہے تھے، کل ذمہ داری مالتی پر آپڑی تھی۔ مالتی کے چار پانچ سو روپیوں میں وہ ٹھاٹ باٹ تو کیا بنھتا، ہاں اتنا تھا کہ دونوں لڑکیوں کی تعلیم ہو جاتی تھی اور بھلے مانسوں کی طرح زندگی بسر ہو رہی تھی۔ مالتی صبح سے پہر رات تک دوڑتی رہتی تھی۔ چاہتی تھی کہ والد پرہیز سے رہیں مگر والد صاحب کو کباب و شراب کا ایسا چسکا پڑ گیا تھا کہ کسی طرح گلا نہ چھوٹتا تھا۔ کہیں سے کچھ نہ ملتا تو ایک مہاجن سے اپنے بنگلے پر پرونوٹ لکھ کر ہزار دو ہزار لے لیتے تھے۔ مہاجن ان کا پرانا دوست تھا۔ جس نے ان کی بدولت لین دین میں لاکھوں پیدا کئے تھے اور مروت کی وجہ سے کچھ بولتا نہ تھا۔ اس کے پچیس ہزار ہو چکے تھے اور جب چاہتا قرقی کرا سکتا تھا۔ مگر دوستی کی لاج نبھاتا جاتا تھا۔ خود پرستوں میں جو بے غیرتی آجاتی ہے وہ مسٹر کول میں بھی تھی۔ تقاضے ہوا کریں انھیں پروا نہ تھی۔ مالتی ان کی فضول خرچی پر جھنجلاتی رہتی تھی مگر ان کی ماں جو مجسم دیوی تھی اور اس زمانے میں بھی شوہر کی خدمت کرنا نسوانی زندگی کا خاص مقصد سمجھتی تھی، اسے سمجھا دیتی تھی۔ اس لئے خانہ جنگی کی نوبت نہ آنے پاتی تھی۔

شام ہو گئی تھی۔ ہوا میں ابھی تک گرمی تھی۔ آسمان پر دھند چھایا ہوا تھا۔

مالتی اور اس کی دونوں بہنیں بنگلے کے سامنے گھاس پر بیٹھی ہوئی تھیں۔ پانی نہ پانے کے سبب وہاں کی دوب جل گئی تھی اور اندر کی مٹی باہر نکل آئی تھی۔ مالتی نے پوچھا "مالی کیا بالکل پانی نہیں دیتا؟"

منجھلی بہن سروج نے کہا "پڑا پڑا سویا کرتا ہے سور۔ جب کہو تو بیس بہانے بنانے لگتا ہے۔"

سروج، بی۔ اے میں پڑھتی تھی، دُبلی، لمبی، زرد، خشک اور تلخ مزاج اس کسی کی کوئی بات پسند نہ آتی تھی، ہمیشہ عیب نکالتی رہتی تھی۔ ڈاکٹروں کی صلاح تھی کہ وہ کوئی محنت کا کام نہ کرے اور پہاڑ پر رہے، مگر گھر کی حالت ایسی نہ تھی کہ اسے پہاڑ پر بھیجا جا سکتا۔

سب سے چھوٹی دُرگا کو سروج سے اس لئے مغائرت تھی کہ سارا گھر سروج کو ہاتھوں ہاتھ لئے رہتا تھا وہ چاہتی تھی کہ جس بیماری میں اتنا آرام ہے وہ اسے ہی کیوں نہیں ہو جاتی؟ گوری سی مغرور تندرست اور شوخ آنکھوں والی لڑکی تھی۔ چہرے پر فہم و فراست کی جھلک تھی۔ سروج کے سوا اُسے کل دنیا سے ہمدردی تھی۔ سروج کی بات کی مخالفت کرنا اس کا خاصہ تھا، بولی "دن بھر دادا جی بازار بھیجتے رہتے ہیں، فرصت ہی کہاں پاتا ہے؟ مرنے کی چھٹی تو ملتی نہیں پڑا پڑا سوئے گا؟"

سروج نے ڈانٹا "دادا جی اسے کب بازار بھیجتے ہیں ری؟ جھوٹی کہیں کی!"

"روز بھیجتے ہیں روز۔ ابھی تو آج ہی بھیجا تھا۔ کہو تو بلا کر پچھوا دوں؟"

"پچھوائے گی بلواؤں؟"

مالتی ڈری۔ دونوں گتھ جائیں گی تو بیٹھنا مشکل کر دیں گی۔ بات بدل کر بولی اچھا خیر، ہوگا آج ڈاکٹر مہتا کے تمہارے یہاں تقریر ہوئی تھی، سروج۔

سروج نے ناک سکیڑ کر کہا: "ہاں ہوئی تو تھی، مگر کسی نے پسند نہیں کی۔ آپ فرمانے لگے کہ دنیا میں عورتوں کا دائرہ مردوں سے بالکل الگ ہے، اور عورتوں کا مردوں کے دائرے میں آنا اس جگ کا ایک کلنک ہے۔ سب لڑکیوں نے تالیاں اور سیٹیاں بجانی شروع کیں۔ بیچارے شرمندہ ہو کر بیٹھ رہے۔ کچھ عجیب سے آدمی معلوم ہوتے ہیں۔ آپ نے یہاں تک کہہ ڈالا کہ پریم صرف شاعروں کا تصور ہے ٹھوس زندگی میں اس کا کہیں پتہ نہیں۔ لیڈی ہکو نے انکا خوب مضحکہ اُڑایا۔

مالتی نے اعتراض کیا: "لیڈی ہکو نے؟ اس بارے میں وہ بھی کچھ بولنے کی ہمت رکھتی ہیں! انھیں ڈاکٹر صاحب کا لکچر شروع سے آخر تک سننا چاہیئے تھا۔ انھوں نے دل میں لڑکیوں کو کیا سمجھا ہوگا۔"

"پورا لکچر سُننے کی برداشت کسے تھی؟ وہ تو جیسے زخم پر نمک چھڑک رہے تھے۔"

"تو پھر انھیں بلایا ہی کیوں تھا؟ آخر انھیں عورتوں سے کوئی بیر تو ہے نہیں۔ جس بات کو ہم سچ سمجھتے ہیں وہی تو وہ بھی کہتے ہیں۔ عورتوں کو خوش کرنے کے لئے وہ ان کی سی کہنے والوں میں نہیں ہیں، اور پھر ابھی یہ کون جانتا ہے کہ عورتیں جس راستے پر چلنا چاہتی ہیں وہی ٹھیک ہے۔ بہت ممکن ہے کہ آگے چل کر اپنی رائے بدلنی پڑے۔"

اس نے فرانس اور جرمنی وغیرہ کی عورتوں کی زندگی کا معیار بتلایا اور کہا کہ جلد ہی ویمنس لیگ (مجلس نسواں) کی طرف سے مہتا کا لکچر ہونے والا ہے۔

سروج کو تعجب ہوا۔ بولی: "مگر آپ بھی تو کہتی ہیں کہ عورتوں اور مردوں کے حقوق مساوی ہونے چاہئیں۔"

"اب بھی کہتی ہوں، لیکن مخالف پارٹی والے کیا کہتے ہیں یہ بھی تو سُننا

چاہیئے۔ ممکن ہے کہ ہم ہی غلطی پر ہوں۔" یہ لیگ اس شہر کی نئی انجمن ہے۔ اور مالتی کی کوشش سے قائم ہوئی ہے۔ شہر کی سب ہی تعلیم یافتہ خواتین اس میں شریک ہیں مہتا کی اوّل تقریر نے عورتوں میں بڑی ہل چل مچادی تھی اور لیگ نے طے کیا تھا کہ انھیں خوب دنداں شکن جواب دیا جائے۔ مالتی ہی پر یہ بار ڈالا گیا تھا۔ مالتی کئی روز تک اپنی بات کی حمایت میں دلائل اور ثبوت کی تلاش کرتی رہی۔ اور بھی کئی عورتیں اپنی تقریریں لکھ رہی تھیں۔ اس دن جب مہتا شام کو لیگ کے ہال میں پہنچے تو معلوم ہوتا تھا کہ ہال پھٹ جائے گا۔ انھیں فخر ہوا کہ ان کی تقریر سننے کے لئے اتنا شوق! اور وہ شوق صرف چہرے پر اور آنکھوں میں نہ تھا! آج سب ہی عورتیں سونا اور ریشم سے لدی ہوئی تھیں گویا کسی بارات میں آئی ہوں۔ مہتا کو مغلوب کرنے کے لئے پوری طاقت سے کام لیا گیا تھا، اور یہ کون کہہ سکتا ہے کہ جگمگاہٹ طاقت کا جزو نہیں ہے؟ مالتی نے تو آج کے لئے نئے فیشن کی ساڑی نکالی تھی، نئی کاٹ کے جمپر بنوائے تھے اور رنگ روغن اور پھولوں سے خوب خوب سجی ہوئی تھی جیسے اس کا بیاہ ہو رہا ہو۔ لیگ میں اتنی دھوم دھام اور کبھی نہ ہوئی تھی۔ ڈاکٹر مہتا تنہا تھے، پھر بھی دیویوں کے دل کانپ رہے تھے۔ سچائی کی ایک چنگاری جھوٹ کے ایک پہاڑ کو جلا کر خاک کر سکتی ہے۔

سب سے پیچھے کی صف میں مرزا اور کھنّا اور اڈیٹر صاحب بھی موجود تھے۔ رائے صاحب لکچر شروع ہونے کے بعد آئے اور پیچھے کھڑے ہو گئے۔

مرزا نے کہا "آجایئے آپ بھی۔ کھڑے کب تک رہیئے گا؟"

رائے صاحب بولے "نہیں بھئی وہاں میرا دم گھٹنے لگے گا۔"

"تو میں کھڑا ہوتا ہوں آپ بیٹھئے۔"

رائے صاحب نے ان کے کندھے دبائے "تکلف کی ضرورت نہیں